بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاعراف

(۱۰)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

(اے پیغمبر، اِنھیں وہ وقت بھی یاد دلاؤ)[۵۶۳]، جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے[۵۶۴] اُن

۵۶۳؎ زمین پر خدا کی دینونت کے واقعات سے استدلال کے بعد اب یہ قریش کو اُس عہد فطرت کی یاد دہانی کرائی ہے جس کی بنیاد پر تمام بنی آدم قیامت کے دن مسئول ٹھیرائے جائیں گے اور خدا کی بارگاہ میں کوئی شخص یہ عذر پیش نہیں کر سکے گا کہ اُسے کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی یا اُس نے شرک اور الحاد کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور خدا کے اقرار اور اُس کی توحید کے تصور تک پہنچنا اُس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ قرآن نے اِس عہد کو جس طریقے سے پیش کیا ہے، اُس سے واضح ہے کہ یہ محض تمثیلی انداز بیان نہیں ہے، بلکہ اُسی طرح کے ایک واقعے کا بیان ہے جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اِس سے یہ حقیقت بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ خالق کا اقرار مخلوقات کی فطرت ہے۔ وہ اپنے وجود ہی سے تقاضا کرتی ہیں کہ خالق کی محتاج ہیں۔ اُن کے لیے خالق کا اثبات پیش نظر ہو تو کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف متنبہ کرنے اور توجہ دلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ انسان بعض اوقات انکار کر دیتا ہے۔ لیکن یہ محض مکابرت ہے، لہٰذا جس وقت انکار کرتا ہے، عین اُسی وقت اپنے دائرۂ علم میں ہر انفعال کے لیے فاعل، ہر ارادے کے لیے مرید، ہر صفت کے لیے موصوف، ہر اثر کے

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی شَہِدۡنَا اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ ہٰذَا غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۷۲﴾
اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ کُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنۡۢ بَعۡدِہِمۡ اَفَتُہۡلِکُنَا بِمَا فَعَلَ
الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾

کی نسل کو نکالا اور اُنھیں خود اُن کے اوپر گواہ ٹھیرایا تھا۔ (اُس نے پوچھا تھا): کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ اُنھوں نے جواب دیا: ہاں، (آپ ہی ہمارے رب ہیں)، ہم اِس کی گواہی دیتے ہیں[۵۶۵]۔ یہ (ہم نے) اِس لیے کیا کہ قیامت کے دن تم کہیں یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اِس بات سے بے خبر ہی رہے یا اپنا یہ عذر پیش کرو کہ شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے پہلے سے کر رکھی تھی اور ہم بعد کو اُن کی اولاد ہوئے ہیں، پھر کیا آپ اِن غلط کاروں کے عمل کی پاداش میں ہمیں ہلاک کریں گے؟[۵۶۶] ہم اِسی طرح اپنی آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں، (اِس لیے کہ لوگوں پر حجت قائم ہو[۵۶۷]) اور اِس لیے کہ وہ رجوع کریں۔ ۱۷۲-۱۷۴

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لیے موثر اور ہر نظم کے لیے ایک علیم و حکیم ناظم کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے۔ اُس کا تمام علم اِسی سرگردانی کی سرگذشت ہے۔ یہ عمل کی تکذیب ہے جو اُس کے انکار کی حقیقت بالکل آخری درجے میں واضح کر دیتی ہے۔

۵۶۴؎ اصل الفاظ ہیں: 'مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ'۔ 'مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ'، 'مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ' سے بدل واقع ہوا ہے۔ اِس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ واقعہ کسی خاص دور ہی کے بنی آدم سے متعلق نہیں ہے، بلکہ قیامت کے دن تک جتنے بنی آدم بھی پیدا ہونے والے ہیں، اُن سب سے متعلق ہے اور ارواح کے اجسام کے ساتھ اتصال کی ابتدا سے پہلے ہوا ہے۔

۵۶۵؎ انسان کو اِس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے، اِس لیے یہ واقعہ تو اُس کی یادداشت سے محو کر دیا گیا ہے، لیکن اِس کی حقیقت اُس کے صفحۂ قلب پر نقش اور اُس کے نہاں خانۂ دماغ میں پیوست ہے۔ اِسے کوئی چیز بھی محو نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ماحول میں کوئی چیز مانع نہ ہو اور انسان کو اُسے یاد دلایا جائے تو وہ اِس کی طرف اِس طرح لپکتا ہے، جس طرح بچہ ماں کی طرف لپکتا ہے، دراں حالیکہ اُس نے کبھی اپنے آپ کو ماں کے پیٹ سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا، اور اِس یقین کے ساتھ لپکتا ہے، جیسے کہ وہ پہلے ہی سے اُس کو جانتا تھا۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کا یہ اقرار اُس کی ایک فطری احتیاج کے تقاضے کا جواب تھا جو اُس کے اندر ہی موجود تھا۔ اُس نے اِسے پا لیا ہے تو اُس کی نفسیات

وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَالَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا فَاَتۡبَعَهُ الشَّیۡطٰنُ فَکَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰکِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ

اور اُس کی سرگذشت بھی اِنھیں سناؤ[۵۶۸] جسے ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائی تھیں، مگر وہ اُن سے نکل بھاگا[۵۶۹]۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا[۵۷۰]، یہاں تک کہ وہ گمراہوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اِن آیتوں کے ذریعے سے اُسے بلندی عطا کرتے[۵۷۱]، لیکن وہ زمین کا ہو رہا اور اپنی خواہشوں

کے تمام تقاضوں نے بھی اِس کے ساتھ ہی اپنی جگہ پا لی ہے۔

۵۶۶؎ یعنی جہاں تک توحید اور بدیہیات فطرت کا تعلق ہے، اُن کے بارے میں مجرد اِس اقرار کی بنا پر بنی آدم کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اُن سے انحراف کے لیے کسی کا یہ عذر خدا کے ہاں مسموع نہیں ہو گا کہ اُسے کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی یا اُس نے یہ انحراف خارجی اثرات کے نتیجے میں اختیار کیا تھا اور اِس کے ذمہ دار اُس کے باپ دادا اور اُس کا ماحول ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ انسان کے باطن کی یہ شہادت ایسی قطعی ہے کہ ہر شخص مجرد اِس شہادت کی بنا پر اللہ کے حضور میں جواب دہ ہے۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

۵۶۷؎ یعنی مزید حجت جس کے نتیجے میں دنیا میں بھی اُن کا مواخذہ ہو گا اور آخرت کے لحاظ سے بھی اُن کی مسئولیت دوچند ہو جائے گی، ورنہ اصلاً تو یہ حجت، جیسا کہ بیان ہوا، اُس علم سے قائم ہو جاتی ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ آیات الٰہی کی تفصیل سے اِسی علم کی یاددہانی ہوتی ہے۔ قرآن مجید اِسی بنا پر اپنے لیے 'ذِکۡر' اور 'ذِکۡرٰی' اور رسولوں کے لیے 'مُذَکِّر' کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔

۵۶۸؎ یہ من حیث القوم یہود کی تمثیل ہے۔ آگے یہ بات قرآن نے خود واضح کر دی ہے۔ لیکن آیت میں چونکہ لفظ 'الَّذِیۡ' آیا ہے، اِس لیے مختلف اشخاص کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> '' 'الَّذِیۡ' اگرچہ اصلاً معرفہ کے لیے آتا ہے، لیکن تمثیلات میں یہ لازم نہیں ہے کہ اِس سے کوئی معین شخص ہی مراد ہو جو خارج میں بھی موجود ہو، بلکہ متکلم جس کی تمثیل پیش کرنا چاہتا ہے، اُس کو نگاہ میں رکھ کر اُس کا ایک ایسا سراپا آراستہ کر دیتا ہے جو اُس پر پوری طرح منطبق ہو جاتا ہے۔ چونکہ پیش نظر صرف واقعے کی تصویرکشی ہوتی ہے، اِس وجہ سے تقاضاے بلاغت یہ ہوتا ہے کہ اُس کو نکرہ کے بجاے معرفہ کے لفظوں میں ذکر کیا جائے تا کہ تمثیل ایک خاص

كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾ سَآءَ مَثَلَاْ نِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ

کی پیروی کرنے لگا۔ چنانچہ اُس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ تم اُس پر (پتھر) اٹھاؤ، جب بھی زبان نکالے رہتا ہے اور چھوڑ دو، جب بھی زبان نکالے رہتا ہے۔[۵۷۲] یہ اُس قوم کی تمثیل ہے جس نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا۔ سو یہ سرگذشت (اِنھیں) سناؤ تاکہ یہ سوچیں۔ کیا ہی بری تمثیل ہے اُس قوم کی جس نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتی رہی۔[۵۷۳] (حقیقت یہ ہے کہ) جن کو اللہ ہدایت

شخص کی صورت میں متمثل ہو کر اِس طرح سامع کے سامنے آجائے کہ گویا اُس نے اُس کی سرگذشت صرف سنی ہی نہیں، بلکہ خود اُس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۳۹۵)

۵۶۹؎ یعنی کتاب الٰہی کی جو تشریف و خلعت اُنھیں عطا فرمائی گئی تھی، وہ اُنھوں نے اتار پھینکی اور استاذ امام کے الفاظ میں بالکل ننگے الف بن کر رہ گئے۔

۵۷۰؎ یہ اُس سنت الٰہی کے مطابق ہوا جو سورۂ زخرف (۴۳) کی آیت ۳۶ میں بیان ہوئی ہے کہ جو خداے رحمٰن کی یاددہانی سے منہ پھیرتے ہیں، اُن پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے، پھر وہ اُسی کے ساتھی بن کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

۵۷۱؎ یعنی اُس قانون کے مطابق چاہتے جو ہم نے اُن لوگوں کے لیے مقرر کر رکھا ہے جنھیں ہم اپنی آیتوں سے نوازتے ہیں۔ وہ قانون یہ ہے کہ اگر اِن آیتوں کی قدر کریں گے تو اِن کے ذریعے سے اُنھیں دین و دنیا کی سرفرازی حاصل ہوگی اور اِن سے گریز کر کے اپنی خواہشوں کے غلام ہو کر رہ جائیں گے تو اُنھی کے حوالے کر دیے جائیں گے۔

۵۷۲؎ یعنی زبان نکالے ہوئے حرص و دناءت کی تصویر بنا رہتا ہے۔ اُسے پیار کیجیے یا دھتکاریے، اُس کی یہ حالت کسی حال میں اُس سے جدا نہیں ہوتی۔ ہم اپنی زبان میں بھی اُس شخص کو جو دنیا کی حرص میں اندھا ہو رہا ہو، اِسی رعایت سے دنیا کا کتا کہتے ہیں۔

۵۷۳؎ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ تمثیل کسی خاص شخص کی تمثیل نہیں ہے، بلکہ اُس قوم کی تمثیل ہے جس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ

بخشے، وہی ہدایت پانے والے ہیں اور جن کو وہ (اپنے قانون کے مطابق) گمراہ کر دے، وہی نامراد ہوتے ہیں[۵۷۴]۔ ۱۷۵-۱۷۸

(یہ متنبہ ہو جائیں)، جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے[۵۷۵]۔ اُن کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں ہیں۔ اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ہیں[۵۷۶]۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ وہی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نے اللہ کی آیتوں سے بہرہ یاب ہونے کے بعد اُنھیں جھٹلا دیا۔ قرآن کے طالب علم جانتے ہیں کہ اِس سے مراد یہودی ہو سکتے ہیں۔

۵۷۴؎ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور قریش کے لیے تہدید و وعید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت و ضلالت کے معاملے میں خدا کا ایک قانون ہے۔ اس کے تحت ہدایت اُنھی کو ملتی ہے جو اُس کے سچے طالب ہوتے ہیں اور جو خواہشوں کی غلامی اختیار کر لیتے ہیں، وہ گمراہی کے لیے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ اُنھیں کبھی راہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ اِس لیے ہر شخص پر واضح ہونا چاہیے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اِسی قانون کے مطابق ہو رہا ہے۔

۵۷۵؎ یہ سخت غصے اور تہدید کا جملہ ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ جنوں اور انسانوں کی اکثریت نے سرکشی کا جو رویہ اختیار کیا ہے، اُس کے بعد تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اُنھیں پیدا ہی جہنم کے لیے کیا تھا۔ چنانچہ آگے وضاحت کر دی ہے کہ وہ کیوں جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔ فرمایا ہے کہ حقائق کو سمجھنے اور اُن کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے جو صلاحیتیں ہم نے اُنھیں دی تھیں، اُن سے اُنھوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کی پیدایش کا مقصد ہی یہ ہو کر رہ گیا ہے کہ پیدا ہوں، زندگی گزاریں اور جہنم رسید ہو جائیں۔

۵۷۶؎ یہ سمجھنا، دیکھنا اور سننا اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے ہے، ورنہ مطلوبات بطن و فرج کے لیے تو وہ ہر چیز کو

بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾
وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

ہیں جو بالکل غافل ہیں۔[۵۷۷] (ایمان والو، تم یاد رکھو کہ) اللہ کے لیے صرف اچھے نام ہیں، سو اُس کو اُنھی سے پکارو[۵۷۸] اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں کج روی اختیار کر رہے ہیں۔[۵۷۹] جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اُس کا بدلہ عنقریب پا لیں گے۔ (یاد رکھو کہ سب یکساں نہیں ہیں)، ہمارے پیدا کیے ہوئے لوگوں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے مطابق لوگوں کی رہنمائی اور اُسی کے مطابق فیصلے کرتا رہا ہے۔ (اِس کے برخلاف) جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے، اُن کو ہم وہاں سے داؤں پر لے جا رہے ہیں، جہاں سے اُن کو خبر بھی نہ ہوگی۔ (اِس وقت) میں اُن کو ڈھیل دے رہا ہوں، اِس لیے کہ

خوب سمجھتے، دیکھتے اور سنتے ہیں۔

۵۷۷؎ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... چوپایوں کے مانند اِس وجہ سے ہیں کہ جس طرح چوپایوں کی طلب وجستجو بس اپنے پیٹ اور تن کی مطلوبات ہی تک محدود ہوتی ہے، اِسی طرح اُن کی تگ ودو بھی اپنی مادی ضروریات وخواہشات ہی تک محدود ہے۔ اور چوپایوں سے زیادہ بے عقل اِس وجہ سے ہیں کہ چوپائے بہرحال اپنی جبلت کی تمام صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اِس میں وہ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے، لیکن انسان کی فطرت کے اندر قدرت نے جو اعلیٰ صلاحیتیں رکھی ہیں، اُن سے نہ صرف یہ کہ وہ حقیقی فائدہ نہیں اٹھاتا، بلکہ بسا اوقات اُس سے ایسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جو ایک بیل یا گدھے سے کبھی صادر نہیں ہوتیں۔ مثلاً انسان انسان ہو کر اتنا بے عقل اور کج فہم بن جاتا ہے کہ درختوں، پتھروں اور جانوروں کی پرستش شروع کر دیتا ہے، لیکن ایک گدھا یا بیل ایسی بے عقلی کبھی نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جو اصلی اور حقیقی بے خبر ہیں، اِس لیے کہ یہ بے خبری چوپایوں میں بھی نہیں ہے۔" (تدبر قرآن ۳/ ۳۹۸)

۵۷۸؎ یعنی ایسے ناموں سے پکارو جو اُس کی شان یکتائی، اُس کی قدرت، اُس کی بے نیازی اور اُس کے علم و حکمت کے مطابق ہیں۔ یہ اُسی توحید کی وضاحت مزید ہے جس کا ذکر اوپر عہد فطرت کے حوالے سے ہوا ہے۔

۵۷۹؎ اصل میں لفظ 'یُلْحِدُوْنَ' آیا ہے۔ یہ یہاں صفات الٰہی کی بے حرمتی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا

میری تدبیر بڑی محکم ہے[۵۸۰]۔۱۷۹-۱۸۳

کیا اِنھوں نے غور نہیں کیا کہ اِن کے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے[۵۸۱]؟ وہ تو ایک کھلا خبردار کرنے والا

مطلب یہ ہے کہ ایسے نام اور ایسی صفات اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں جو کسی طرح اُس کے شایان شان نہیں ہے، جن سے اُس کی ذات وصفات کی اہانت ہوتی ہے اور جن سے وہ پاک، برتر اور منزہ ہے۔

۵۸۰؎ یہ معاملہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو خدا کے مقابلے میں سرکشی اور بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...جب شکاری کو اپنی ڈور پر پورا اعتماد ہوتا ہے تو وہ مچھلی کو آخری حد تک ڈھیل دیتا ہے۔ مچھلی سمجھتی ہے کہ اب اُس نے بازی مارلی، حالاں کہ شکاری اِس لیے اُس کو ڈھیل پر ڈھیل دیتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ کتنا ہی زور لگائے، لیکن وہ اُس کے قابو سے باہر نہیں جا سکتی۔ اُس کی بھاگ دوڑ اُس کے لیے نجات کی راہ نہیں کھولے گی، بلکہ اُس کو تھکا کر اتنا چور کر دے گی کہ بالآخر وہ بے جان ہو کر خود بخود گھسٹتی ہوئی کنارے پر آ لگے گی۔ یہی حال خدا کی تدبیر کا ہے۔ اُس کی تدبیر نہایت محکم اور اُس کی گرفت نہایت شدید ہوتی ہے۔ کوئی اُس کے احاطے سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اِس وجہ سے وہ لوگوں کو اُن کی سرکشی کے باوجود ڈھیل پر ڈھیل دیتا ہے۔ اِس ڈھیل کو سرکش اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، حالاں کہ وہ جتنی ہی زور آزمائی کرتے ہیں، اتنے ہی اپنی ہلاکت کے گڑھے سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ جلد بازی وہ کرتا ہے جس کو اپنی تدبیر کے ناکام ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ جس کا تیر بے خطا اور جس کا وار بے پناہ ہو، اُس کو جلد بازی کی کیا ضرورت ہے؟'' (تدبر قرآن ۳/ ۴۰۰)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۵۸۱؎ ساتھی سے مراد یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو جو دن رات اِس بات کی لگن تھی کہ آپ اپنی قوم کو اُس عذاب سے خبردار کر دیں جو سنت الٰہی کے مطابق رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر لازماً آتا ہے، اُسے دیکھ کر قریش کے لیڈر اپنے لوگوں کو آپ کے اثر سے بچانے اور اپنی سیادت کی دھاک قائم رکھنے کے لیے اُن سے کہتے تھے کہ اگرچہ یہ شخص بھلا چنگا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اِسے عذاب اور قیامت کا سودا لاحق ہو گیا ہے۔ یہ قریش کی اِسی طفل تسلی کی تردید فرمائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ساتھی کا لفظ بھی اِسی بنا پر استعمال کیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ وَّاَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ
قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُہُمۡ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا
ہَادِیَ لَہٗ وَیَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ

ہے۔کیا اِنھوں نے زمین و آسمان کی سلطنت پر اور اُن چیزوں پر جو خدا نے پیدا کی ہیں، کبھی نگاہ نہیں کی (کہ اِن پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ خدا نے یہ کارخانہ عبث نہیں بنایا) اور نہیں سوچا کہ کیا عجب اِن کی مدت قریب آ لگی ہو؟[۵۸۲] سو (یہ مدت پوری ہو گئی تو) اِس کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟ (حقیقت یہ ہے کہ) جنھیں خدا (اپنے قانون کے مطابق) گمراہی میں ڈال دے، اُن کے لیے پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہو سکتا۔ اُن کو وہ اُن کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ (تمھارے

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

’’... اِس لفظ کے استعمال سے قریش کو اِس امر واقعہ کی طرف توجہ دلانا ہے کہ یہ پیغمبر اُن کے لیے کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں، بلکہ اُن کے دن رات کے ساتھی ہیں۔ اِن کا بچپن، اِن کی جوانی، سب اُنھی کے اندر اور اُنھی کے ساتھ گزری ہے۔ ہر دور اور ہر مرحلہ میں اُنھوں نے اِن کو دیکھا اور آزمایا اور ہر طرح کے حالات میں اِن کو جانچا اور پرکھا ہے۔ پھر آخر یہ اِس امر پر کیوں نہیں غور کرتے کہ جو شخص ہمیشہ اپنی سلامت روی، اپنی صداقت شعاری، اپنی بے غرضی، اپنی پاک بازی، اپنی فکر و رائے کی اصابت اور اپنی دانش و بینش کی پختگی کے اعتبار سے ساری قوم میں گل سرسبد رہا دفعتاً وہ اب خبطی اور دیوانہ کیسے بن گیا؟‘‘ (تدبر قرآن ۳/ ۴۰۰)

۵۸۲؎ مطلب یہ ہے کہ خدا کی کائنات پر غور کرتے تو لازماً اِس نتیجے پر پہنچ جاتے کہ نہ یہ کارخانہ عبث بنا ہے کہ جزا و سزا کے بغیر یوں ہی چلتا رہے اور کسی ظالم، معاند، حق و انصاف کے دشمن اور سرکش کے لیے کوئی یوم حساب نہ آئے اور نہ اِس کا علیم و حکیم خداوند جس نے انسان کو خیر و شر میں امتیاز کا شعور دیا ہے، خود اِس شعور سے بے نیاز ہو کر دنیا کو یوں ہی چھوڑے رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا ہے کہ وہ اِس بات پر غور کرتے تو یہ بات بھی اُن پر کھل جاتی کہ کیا عجب کہ اُن کی وہ اجل بھی قریب آ لگی ہو جس سے پیغمبر اُن کو خبردار کر رہے ہیں اور خدا کا وہ فیصلہ اُن کے لیے بھی صادر ہونے والا ہے جو اُن سے پہلے پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کے لیے صادر ہو چکا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’... یہ گویا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں آفاقی شہادت کی طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر جو کچھ کہہ رہے ہیں، اُس کو

مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا

استہزا کے لیے) وہ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آخر وہ گھڑی کب نازل ہوگی؟[۵۸۳] کہہ دو کہ اُس کا علم تو میرے پروردگار ہی کے پاس ہے۔ وہی اپنے وقت پر اُس کو ظاہر کرے گا۔[۵۸۴] زمین و آسمان اُس سے بوجھل ہو رہے ہیں۔[۵۸۵] وہ تم پر اچانک آپڑے گی۔ وہ (اُس کے بارے میں) تم سے اِس طرح پوچھتے ہیں گویا تم اُس کی تحقیق میں لگے ہوئے ہو۔[۵۸۶] کہہ دو: اُس کا علم تو صرف خدا کو ہے، مگر

خبط پر محمول نہ کرو، بلکہ اپنی بلادت اور سرگشتگی پر ماتم کرو۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۴۰۳)

۵۸۳؎ اصل میں 'اَیَّانَ مُرْسٰهَا' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'اَیَّانَ' بھی 'متی' کے معنی میں ہے، لیکن یہ اُس موقع پر استعمال ہوتا ہے، جب استغراب واستنکار کے لہجے میں کسی چیز کے متعلق پوچھنا مقصود ہو۔ اِسی طرح 'مُرْسٰی' جہاز وغیرہ کے لنگر انداز ہونے کو کہتے ہیں۔ اِس سے سوال کے اندر چھپے ہوئے طنز واستہزا کو سمجھا جا سکتا ہے۔ استاذ امام کے الفاظ میں گویا مدعا یہ ہے کہ جس گھڑی کے ڈراوے سنا رہے ہو، وہ کب نمودار ہوگی؟ آخر یہ جہاز چلا تو کہاں اٹک کر رہ گیا، یہ ساحل پر کب لنگر انداز ہوگا؟

۵۸۴؎ مطلب یہ ہے کہ اُس کا علم بھی خدا ہی کے پاس ہے اور اُس کو برپا کر دینے کی قدرت بھی وہی رکھتا ہے۔ مجھے نہ اُس کے وقت کا پتا ہے اور نہ میں یہ طاقت رکھتا ہوں کہ جب چاہوں، اُسے برپا کر دوں۔

۵۸۵؎ اِس سے کیا مراد ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''...جس طرح ایک حاملہ عورت ولادت کے قریب بارِ حمل سے گراں بار ہوتی ہے، اگرچہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ ولادت کا صحیح وقت کیا ہے، لیکن ہر آنکھیں رکھنے والا دیکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ عورت جنے گی اور بہت جلد جنے گی، وہی حال قیامت اور عذاب کے معاملے میں آسمان و زمین میں غور کرنے والے اربابِ بصیرت کا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کو اِس بوجھ سے گراں بار دیکھتے ہیں، اور اگرچہ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اِس بوجھ سے کب سبک دوش ہوں گے، لیکن جس طرح ایک حاملہ اپنے آخری مرحلہ میں اپنے بوجھ سے سبک دوش ہونے کے لیے منتظر اور بے قرار ہوتی ہے، وہی بے قراری آسمان و زمین کے اندر نمایاں ہے۔ اِس میں اِس بات کی طرف ایک لطیف اشارہ بھی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

لوگوں کی اکثریت (اِس بات کو) نہیں جانتی۔ کہہ دو: (تم مجھ سے اُن چیزوں کا مطالبہ نہ کرو جو خدا کے علم و اختیار میں ہیں)، میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے۔ مجھے سارے غیب کا علم ہوتا تو میں خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا[۵۸۷]۔ (حقیقت یہ ہے کہ) میں صرف ایک خبردار کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانا چاہیں۔۱۸۴-۱۸۸

ہے کہ جن لوگوں کو آسمان و زمین کے اندر قیامت اور عذاب کی نشانیاں نظر نہیں آ رہی ہیں، اُن کو گویا آخری مرحلے میں پہنچی ہوئی حاملہ کا حمل نظر نہیں آ رہا ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۴۰۴)

۵۸۶ حالاں کہ کوئی شخص بھی جسے خدا نے علم و عقل سے بہرہ یاب کیا ہو، کسی ایسی چیز کے درپے نہیں ہو سکتا جو اُس کے حدود علم و تحقیق سے ماورا ہو، اور اُسے ہونا بھی نہیں چاہیے، اِس لیے کہ اِس سے بڑھ کر بے عقلی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آدمی جاننے کی چیزوں پر توجہ کرنے کے بجاے اُن چیزوں کی کھوج کرید میں لگا رہے جن کو نہ وہ جان سکتا ہے اور نہ وہ اُس کے جاننے کی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۵۸۷ یعنی علم و عمل کا سارا خزانہ سمیٹ لیتا، لیکن تم جانتے ہو کہ مجھے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے اور اپنے لیے خیر و صلاح کے راستوں پر بھی میں اُسی حد تک آگے بڑھ سکتا ہوں جس حد کا مجھے علم دیا گیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...'لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ' کے ٹکڑے میں جس خیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار جمع کر لینے کی تمنا کا اظہار ہے، وہ پیغمبر کے ظرف اور اُس کی طلب کے اعتبار سے ہے۔ پیغمبر اپنے حوصلہ اور اپنے ارمان کے اعتبار سے اِس مقام بلند پر ہوتا ہے کہ وہ خیر کی کسی وادی کو ناطے کردہ نہیں چھوڑنا چاہتا، لیکن وہ خیر سے واقف اُسی حد تک ہوتا ہے، جس حد تک اُس کو وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اُس کو پورا غیب معلوم ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اُس کے اپنے امکان کے حد تک تو اُس کی کوشش یہی ہو گی کہ خیر کی راہ کے کسی پتھر کو بھی الٹے بغیر نہ چھوڑے۔ لیکن دائرۂ وحی سے باہر اُسے بھی دوسروں کی طرح اپنی صواب دید ہی پر کام کرنا اور اپنی عقل ہی پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جس میں کامیابی اور ناکامی، دونوں کے امکانات مضمر ہوتے ہیں۔'' (تدبر قرآن ۳/۴۰۵)

هُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا
فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا
لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ
شُرَکَآءَ فِیْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ
شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی کی جنس سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ اُس سے تسکین پائے۔[588] پھر (بارہا ایسا ہوا کہ) جب مرد نے عورت کو چھالیا تو اُسے ایک ہلکا سا حمل رہ گیا۔ سو اُس کو لیے پھرتی رہی۔ پھر جب زیادہ بوجھل ہو گئی تو مرد و عورت، دونوں نے مل کر اللہ، اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (پروردگار)، اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد عطا فرمائی تو ہم تیرے شکر گزاروں میں رہیں گے۔ مگر جب اللہ نے اُن کو صحیح وسالم اولاد عطا فرما دی تو اُس کی بخشی ہوئی چیز میں وہ دوسروں کو شریک ٹھیرانے لگے۔[589] (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ برتر ہے اُن چیزوں سے جنھیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں۔[590] کیا وہ اُن کو شریک ٹھیراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ وہ نہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۵۸۸؎ مطلب یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا یہ نہیں کر سکتا تھا کہ دو الگ الگ اور مستقل وجود پیدا کرے اور دونوں میں ایسی مطابقت، ہم آہنگی اور سازگاری پیدا کر دے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے راحت دل و جان اور سرمایۂ تسکین ونشاط بن جائیں۔ یہ اِس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ ایک ہی علیم و حکیم ہستی کا ارادہ ہے جس نے اپنے پیشگی منصوبے کے تحت، دونوں کو خاص ڈھنگ سے وجود بخشا اور اِس طرح پروان چڑھایا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بمنزلۂ جان وتن ہو گئے ہیں۔ آیت میں ایک جان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ سورۂ نساء (۴) کی آیت ا سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

۵۸۹؎ یہ مشرکین کا عام رویہ ہے۔ اپنی اصل ضرورت اور اصل احتیاج کے وقت تو وہ اللہ، پروردگار عالم ہی کی طرف متوجہ ہوتے اور اُسی کو پکارتے ہیں، لیکن جب وہ احتیاج پوری ہو جاتی ہے تو اُسے دوسروں کی کرامت اور اُن کے علم وعمل کا کرشمہ قرار دینے لگتے ہیں۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ

اُن کی کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم اُن کو رہنمائی کے لیے پکارو تو وہ تمھارے پیچھے نہ آئیں گے۔[591] تم اُنھیں پکارو یا خاموش رہو، تمھارے لیے برابر ہے۔ تم اللہ کے سوا جنھیں پکارتے ہو، وہ بندے ہیں، جس طرح تم بندے ہو۔[592] سو اُنھیں پکار دیکھو، اُنھیں چاہیے کہ تمھیں جواب دیں، اگر تم سچے ہو۔[593] (تم نے کبھی غور نہیں کیا)، کیا اُن کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں؟ کیا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا اُن کے کان

۵۹۰؎ شرک جس نوعیت کا بھی ہو، اُس سے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمال کی نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ وہ ایسی تمام نسبتوں اور شراکتوں سے منزہ اور ارفع ہے، اِس نوعیت کی کوئی چیز بھی اُس سے منسوب نہیں کی جا سکتی۔

۵۹۱؎ اصل میں لفظ 'لَا يَتَّبِعُوْكُمْ' آیا ہے۔ لفظ 'اِتِّبَاع' یہاں اپنے ابتدائی لغوی مفہوم میں ہے، یعنی 'مشی خلفه'۔ ہم نے ترجمہ اُسی کے لحاظ سے کیا ہے۔ ہم بھی اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ اُس نے مصیبت میں بلایا، لیکن کوئی اُس کے پیچھے نہیں آیا۔

۵۹۲؎ یہ اُن ذوات پر تبصرہ ہے جنھیں مشرکین اپنے زعم کے مطابق خدائی میں شریک مانتے اور معبود قرار دے کر پوجتے تھے، یعنی فرشتے اور جنات وغیرہ۔

۵۹۳؎ یہ اُسی طرح کا چیلنج ہے، جس طرح کا چیلنج سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۲۳ میں دیا گیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...مطلب یہ ہوا کہ اب تک تو تم نے اپنے اِن خیالی معبودوں کو جو چاہا مانا اور جو چاہا منوایا، لیکن اب پیغمبر اور قرآن نے اِن سب کی خدائی کو چیلنج کر دیا ہے۔ اب وقت ہے کہ وہ تمھاری مدد اور رہنمائی کے لیے پہنچیں اور تم کو بھی اور خود اپنے آپ کو بھی سنبھالیں۔ اگر اُنھوں نے اپنی خدائی بچالی تو بے شک، معلوم ہوگا کہ تم سچے ہو۔''
> (تدبر قرآن ۳/۴۰۹)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّ ـَۧ اللّٰهُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَكُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ

ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟[۵۹۴] کہہ دو (اے پیغمبر)، تم اپنے سب شریکوں کو بلالو، پھر میرے خلاف تدبیریں کر دیکھو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔[۵۹۵] میرا کارساز اللہ ہے جس نے نہایت اہتمام کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے اور وہ اپنے نیک بندوں کی کارسازی فرماتا ہے۔[۵۹۶] (اِس کے برخلاف) جنھیں تم اللہ کے سوا

۵۹۴؎ اوپر ذوات پر تبصرہ کیا تھا۔ اب یہ اُن مظاہر پر تنقید ہے جنھیں مشرکین اِن ذوات کے پیکر اور قالب کی حیثیت سے سونے، چاندی یا لوہے اور پتھر کی مورتوں کی صورت میں ڈھالتے اور یہ گمان رکھتے تھے کہ اُن کے یہ معبود اِن مورتوں کے اندر حلول کر آئے ہیں۔ زبور میں یہی حقیقت بدیں الفاظ بیان ہوئی ہے:

اُن کے بت چاندی اور سونا ہیں
یعنی آدمی کی دست کاری۔
اُن کے منہ ہیں، پر وہ بولتے نہیں۔
آنکھیں ہیں، پر وہ دیکھتے نہیں۔
اُن کے کان ہیں، پر وہ سنتے نہیں۔
ناک ہیں، پر وہ سونگھتے نہیں۔
اُن کے ہاتھ ہیں، پر وہ چھوتے نہیں۔
پاؤں ہیں، پر وہ چلتے نہیں۔
اور اُن کے گلے سے آواز نہیں نکلتی۔
اُن کے بنانے والے اُنھی کے مانند ہو جائیں گے۔
بلکہ وہ سب جو اُن پر بھروسا رکھتے ہیں۔

(۱۱۵: ۴-۸)

۵۹۵؎ یہ اُن دھمکیوں کا جواب ہے جو مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے کہ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو اور اُن کی طرف سے لوگوں کے عقیدے خراب کر رہے ہو تو یاد رکھو، ایک دن اُن کا قہر تم پر ٹوٹ پڑے گا اور تم کہیں پناہ حاصل نہ کر سکو گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

يَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَسۡمَعُوۡا وَتَرٰهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخۡوَانُهُمۡ

پکارتے ہو، وہ نہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ تم اُنھیں رہنمائی کے لیے پکارو تو تمھاری بات نہ سنیں گے۔ تم کو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں، مگر (حقیقت یہ ہے کہ) وہ کچھ نہیں دیکھتے۔[597] (اِن کے ماننے والوں کو اب اور کیا سمجھایا جائے؟ اِس لیے) درگذر کرو (اے پیغمبر)، نیکی کی تلقین کرتے رہو[598] اور اِن جاہلوں سے اعراض کرو۔ (اِس کے باوجود) اگر تمھیں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آ جائے تو اللہ کی پناہ چاہو۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (یاد رکھو)، جو خدا ترس ہیں، اُنھیں جب شیطان کی کوئی چھوت لاحق ہوتی ہے تو فوراً (اپنے پروردگار کا)

۵۹۶؎ مطلب یہ ہے کہ تمھارے معبود تو اپنے چہرے سے مکھی بھی نہیں ہٹا سکتے، لیکن میرا حامی و ناصر وہ پروردگار ہے جس نے انسان کی حیثیت سے میری سب سے بڑی احتیاج پوری کی اور مجھے کتاب ہدایت سے نوازا ہے۔ اُس کی شان یہی ہے کہ وہ اپنے صالح بندوں کی کارسازی فرماتا ہے۔

۵۹۷؎ اصل الفاظ ہیں: 'وَتَرٰهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ، وَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ'۔ اِن میں 'تَرٰهُمۡ' اگرچہ واحد ہے، لیکن یہ 'خطاب لغیر معین' کے اسلوب پر آیا ہے، لٰہذا جمع کے مفہوم میں ہے اور اِس کے مخاطب مشرکین ہیں۔ استاذ امام کے الفاظ میں 'رویت'، 'نظر' اور 'ابصار' کے الفاظ اِس ٹکڑے میں اِس خوبی سے استعمال ہوئے ہیں کہ بس قرآن کا اعجاز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے بصرو، تم تو یہ خیال کر رہے ہو کہ یہ تمھیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں، لیکن اِنھیں سوجھتا بجھاتا کچھ بھی نہیں۔

۵۹۸؎ اصل میں لفظ 'عُرۡف' آیا ہے۔ اِس سے مراد وہ باتیں ہیں جو تمام سلیم الطبع لوگوں کے نزدیک نیکی اور خیر کی باتیں سمجھی جاتی ہیں اور اِس لحاظ سے گویا جانی پہچانی ہوتی ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ جو دعوت دے رہے ہو، اُس پر جمے رہو۔ خدا کا فیصلہ جب تک صادر نہیں ہو جاتا، تمھارے لیے یہی حکم ہے۔ اِن کی بوالفضولیوں کے پیش نظر تم خیر و

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ

دھیان کرتے ہیں اور دفعتاً اُن کے دل روشن ہو جاتے ہیں۔ (اس کے برخلاف) اِن (جاہلوں) کے بھائی، (شیاطین) اِنھیں گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، پھر (اُس میں) کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ۱۸۹-۲۰۲

(اِن کے مطالبے پر) تم اِن لوگوں کے سامنے جب کوئی نشانی پیش نہیں کرتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنے لیے) کوئی نشانی کیوں نہیں گھڑ لی؟[۵۹۹] کہہ دو: میں تو صرف اُس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ یہ اُن لوگوں کے لیے تمھارے پروردگار کی طرف سے آنکھیں کھول دینے والی آیتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لائیں[۶۰۰]۔ (اس

صلاح کی یہ دعوت منقطع نہیں کر سکتے۔

۵۹۹۔ یہ صریح طعن کا جملہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن گھڑ کر لا سکتے ہو تو اپنے دعویٰ نبوت کی تائید کے لیے کوئی معجزہ بھی گھڑ کر لے آؤ۔ اِس مفہوم کے لیے اصل میں لفظ 'اِجْتِبَاء' آیا ہے۔ اِس کے لغوی معنی تو کسی چیز کا انتخاب کر لینے کے ہیں، مگر طنزیہ اسلوب نے یہاں اِس میں گھڑنے اور بنا لینے کے معنی پیدا کر دیے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اِس قول سے ظالموں کا مطلب یہ ہوتا کہ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے، اُس کا معاملہ تو بہت آسان ہے۔ اِدھر اُدھر سے جو باتیں اگلوں کے واقعات اور کاہنوں اور اہل کتاب کی روایات پر مشتمل کانوں میں پڑیں، اُن میں سے جو باتیں دل کو بھا گئیں، اُن کو جوڑ جاڑ کر کچھ کلام بنایا اور اُس کو لا کر ہمیں اِس دعوے کے ساتھ سنا دیا کہ یہ اللہ نے اپنے خاص فرشتے کے ذریعے سے وحی بھیجی ہے۔ لیکن اب ہم نے مطالبہ جو معجزے کا رکھ دیا ہے تو تمھاری کچھ پیش نہیں جاتی، اِس لیے کہ اِدھر اُدھر سے باتیں چھانٹ لینا اور چیز ہے، معجزہ دکھانا اور چیز ہے۔ یہ چھانٹ لینے کی چیز نہیں تھی کہ کہیں سے چھانٹ کر لاتے اور ہمیں دکھا دیتے کہ یہ لو، تمھارا مطالبہ پورا کر دیا۔ گویا اِس طعنے میں صرف معجزہ نہ دکھا سکنے ہی کا طعنہ نہیں، بلکہ اِس سے زیادہ زہر آلود طعنہ اِس کے اندر یہ مضمر ہے کہ نعوذ باللہ قرآن ایک من گھڑت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ
وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

لیے) جب قرآن سنایا جائے تو اُس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔۲۰۳-۲۰۴
اپنے رب کو صبح وشام یاد کرو (اے پیغمبر)، دل ہی دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور ہلکی آواز سے اور اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں[۶۰۱]۔ حقیقت یہ ہے کہ جو (فرشتے)

چیز ہے جو اِدھر اُدھر سے اپنے ذوق کے مطابق چھانٹی ہوئی چیزوں کا مجموعہ ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۴۱۲)

۶۰۰؎ یعنی آغاز کے لحاظ سے ہدایت اور انجام کے لحاظ سے رحمت۔ یہ اُس طنز کا جواب ہے جو اوپر نقل ہوئی ہے اور دیکھیے کہ کس قدر باعظمت اسلوب میں اور کیسا باوقار جواب ہے۔ فرمایا تھا کہ نیکی کی تلقین کرتے رہو اور اِن جاہلوں سے اعراض کرو۔ یہ بہترین مثال ہے کہ اِس ہدایت کی تعمیل کس طرح ہونی چاہیے۔ اُن کی بات چونکہ آخری درجے میں جاہلانہ تھی، اِس لیے اُس کا نوٹس ہی نہیں لیا اور اصل حقیقت نہایت سادہ لفظوں میں سامنے رکھ دی ہے کہ میں معجزے اور کرامتیں نہیں، بلکہ یہ بصائر اور ہدایت و رحمت لے کر آیا ہوں، اِس لیے قبول کرنا ہے تو اِسے قبول کرو۔ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں اِسی میں مضمر ہیں۔ لیکن اِس کے لیے ضروری ہے کہ دلوں کی خرابی دور کی جائے اور جانتے ہو، وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ تم حقیقت کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔

۶۰۱؎ یہ آخر میں خدا کو دائماً یاد رکھنے کی تلقین فرمائی اور اُس کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ خدا کا یہ ذکر ناز و تدلل کے ساتھ نہیں، بلکہ لجاجت، خوف، فروتنی اور مسکنت کے ساتھ اور پست آواز سے ہونا چاہیے تاکہ دل کی توجہ اِس میں شامل رہے۔ روح کی زندگی کے لیے یہ اُسی طرح ضروری ہے، جس طرح جسم کی زندگی کے لیے سانس کی آمد و شد ضروری ہے۔ شیطان کے حملوں سے یہی ذکر آدمی کو بچاتا اور دعوت حق کے راستے پر پابرجا رکھتا ہے۔ قرآن کی اکثر سورتیں اِسی تلقین پر ختم ہوتی ہیں، اِس لیے کہ دعوت کی راہ میں یہی بدرقہ ہے۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو بیدار کرنے والے کہیں خود غفلت کی نیند نہ سو جائیں اور جس بھول سے وہ دوسروں کو نکالنا چاہتے ہیں، وہی بھول کہیں اُنھیں بھی لاحق نہ ہو جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

عِبَادَتِهٖ وَ يُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴿۲۰۶﴾

تیرے پروردگار کے حضور میں ہیں، وہ اُس کی عبادت سے کبھی تکبر نہیں کرتے۔ وہ اُس کی تسبیح کرتے ہیں اور اُسی کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں[۶۰۲]۔ ۲۰۵-۲۰۶

۶۰۲۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کو یاد کرنے والوں کا زمرہ یہ ہے۔ وہ زمین پر رہتے بستے ہیں، مگر اُن کا تعلق فرشتوں کی بزم قدس سے ہوتا ہے جو اپنے پروردگار کی بندگی سے کبھی سرتابی نہیں کرتے۔ اپنے دل کی گہرائیوں سے مانتے ہیں کہ اُن کا خالق بے عیب، بے نقص اور بے خطا ہے، ہر قسم کی کمزوریوں سے منزہ ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، وہ بے ہمتا اور بے مثل ہے۔ وہ زبان سے بھی دائماً اِسی حقیقت کا اعتراف و اعلان کرتے اور اُسی کے سامنے سجدہ ریز رہتے ہیں۔ اِس میں مشرکین پر بھی تعریض ہے کہ جن کو خدا کے شریک ٹھیراتے ہو، اُن کا اپنا حال یہ ہے کہ ہر وقت خدا کے آگے سرگرم سجود اور زمزمہ سنج تسبیح و تہلیل ہیں۔

کوالالمپور

۲۸/ مارچ ۲۰۱۱ء

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com